نہ کھلواؤ زباں میری، نہ اٹھواؤ قلم میرا

خاور چودھری

بہت دیر سے اپنے وجود کو نوچ رہا ہوں، چٹکیاں لے رہا ہوں، چوٹ لگا رہا ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا مجھ میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہے۔ میں بہت دیر سے اپنے دماغ کے خوابیدہ خلیوں کو جگانے میں مصروف ہوں، اپنے دل کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے خون کی حالت دیکھنا چاہتا ہوں، مگر شاید میرے وجود کی ساری حسیات زنگ آلود ہو چکی ہیں، میرے دماغ کے تمام تر خلیے مر چکے ہیں، ٹھاٹیں مارتا ہوا دل کا لہو، برف میں بدل چکا ہے اور میری ذات کے اظہار کی تمام علامتیں مٹی میں مل کر مٹی ہو چکی ہیں۔ میرے وجود کی گواہی دینے والی تمام قدریں تباہ ہو چکی ہیں، میرے جسم کو خوبصورتی اور رعنائی عطا کرنے والے تمام لباس وقت کی بے لحاظ و بے قدر ہواؤں کی نذر ہو چکے ہیں اور میں اپنے شکستہ و برہنہ وجود کے ساتھ کھڑا ہوا ہوں۔ نہیں جانتا ہوں کہ دنیا کی نظریں ایسے انسان میں کیا تلاش کر رہی ہیں، جو اپنے دماغ کے مردہ خلیوں اور اپنے دل کے سرد اور جمے ہوئے لہو کے ساتھ عریاں کھڑا ہے۔

آپریشن کا پہلا دن...... دوسرا...... تیسرا...... چوتھا...... اور پھر آخری دن بھی گزر گیا۔ کتنی جانیں اپنے بھائیوں کے ہاتھوں جل کر خاکستر ہوئیں، کتنے ارمان رزقِ خاک ہوئے، کتنے جواں بدن گولیوں کی آگ پی گئے، کتنی ادھ کھلی کلیاں بے لحاظ بارود سے جھلس گئیں، کتنے تازہ کھلے پھول مٹی میں روند گئے...... میں نہیں جانتا، باپوں نے اپنے بیٹوں کے زخموں کو کیسے چاٹا یا چاٹا بھی نہیں، میں نہیں جانتا کہ ماؤں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے سینے سے کیسے لگایا، یا پھر لگایا ہی نہیں، میں نہیں جانتا بھائیوں نے اپنی بہنوں کے سروں پر دستِ شفقت کیسے رکھا یا پھر رکھا ہی نہیں۔ میں نہیں جانتا سہاگنوں کے سروں کے تاج کیسے سلامت لوٹے یا پھر لوٹے ہی نہیں۔ جلتی آگ اور کھولتی گولیوں کی بارش نے کتنے گھر اجاڑے اور کتنے در توڑے۔ میں کہاں جانتا ہوں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ پاک سے نکلی ہوئی کتاب کی حالت کیا ہوئی، منبر و محراب کی عظمتوں کا کیا بنا، حدیث وفقہ کے اظہاریے کیا ہوئے میں نہیں جانتا......

وہ ایک شخص...... ایک شخص جسے ہٹ دھرم، انتہا پسند، خود غرض، ایجنسیوں کا گماشتہ، ریاکار، بڑبولا، اغوا کار و منتشر دماغ کہا گیا، سیکڑوں بے گناہ جانوں کے ضیاع کا قصور وار ٹھہرایا گیا، کیا ہوا، میں نہیں جانتا۔ لوگ جلتے رہے، پھول گرتے رہے، کلیاں مسلتی رہیں، سہاگ لٹتے رہے، کوکھیں اجڑتی رہیں، بیبیاں بے پردہ ہوتی رہیں، بیٹیاں درد سے بلکتی

رہیں، بھائی زخموں سے کراہتے رہے......اور...... میں ایک طرف زمین میں گڑا رہا۔ کتنے لوگ معبد خانہ میں بھوک اور پیاس سے نڈھال وبدحال رہے، میں نہیں جانتا، کون پتے کھا کر اور بارش کے پانی کی بوندیں پی کر زندگی سے جنگ لڑتا رہا اور کون دھوئیں کی آندھیوں سے نبرد آزما رہا، میں نہیں جانتا۔ آپریشن کا پہلا دن...... دوسرا...... تیسرا...... چوتھا اور پھر آخری دن بھی گزر گیا، میں زمین میں گڑا ہوا تھا، گڑا ہوا ہوں۔

وہ جسے نام لال ملا تھا، حقیقتاً خون سے لال تھی...... گولوں کی آواز مدھم ہوئی تو اس کی جگہ بوٹوں کی آواز نے لے لی۔ میرے بھائی اپنی ''فتح'' پر بکتر بند گاڑیوں سے سر نکالے ''وکٹری'' کا نشان بنائے گزرتے رہے، میرے بھائی اپنی فتح کی داستانیں مسلسل سناتے رہے۔ لوگ چلتے رہے، جیتے رہے اور میں مرتا رہا...... مرتا رہا۔ اور دور بیٹھے ہوئے لوگ ہمارا تماشا دیکھتے رہے۔ ہمارا تماشا کہ ہم نے اپنے ہی ہاتھوں سے، اپنے جسموں کو چھلنی کیا، اپنی ہی زبانوں سے خود پر زہر اگلا اور اپنے ہی غلبے سے خود کو مغلوب کیا۔

اور اب...... اب میں ''زندہ'' ہوا ہوں تو مجھے اس ظلم کا احساس ہوا ہے، جو آپریشن کی صورت ظاہر ہوا تھا۔ اب میں احتجاج کروں گا...... پر امن احتجاج...... غیر مسلح احتجاج اور پھر آنے والے دنوں میں، نئے مواقعوں سے مستفید ہوں گا...... یہ احتجاج، دکھ، غم تو چند گھڑی کا ہے، یا پھر دکھاوے کا......

حیف، صد حیف! دماغ کے مردہ خلیوں اور سینے کے ٹھنڈے لہو کے باوجود میں خود کو زندہ سمجھتا ہوں، سمجھتا رہا، سمجھتا رہوں گا...... گولیاں چلتی رہیں گی، معبد پامال ہوتے رہیں گے، سینہ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلی ہوئی باتیں بے قدروں کا نشان بنتی رہیں گی، بوٹوں کی آواز سنائی دیتی رہے گی اور وکٹری کا نشان بنائے ہاتھ اٹھتے رہیں گے۔ ہم اپنے زخموں کو چاٹتے رہے ہیں، چاٹتے رہیں گے......

الاماں والحفیظ! بہروپیوں، خودغرضوں، مکاروں اور بے ترسوں میں گھری ہوئی یہ قوم اپنے دماغ کے مردہ خلیوں کے باوجود خود کو زندہ سمجھتی ہے، اپنی نسوں میں جمے ہوئے خون کو زندگی کی علامت تصور کرتی ہے اور آسماں بھی خاموش ہے، نہ ہی ٹوٹ کر گرا اور نہ ہی زمین پھٹی...... میں زندہ ہوں، تبھی تو اس گونجتی آواز ''تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟ ہمارے سب خواب وقت کی بے لحاظ آندھیوں میں جل بجھیں گے، دو نیم دریا و چاہِ تاریک و آتشِ سرد جاں نواز کے سلسلے ختم ہو گئے کیا؟ تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟ خدائے زندہ! تیری سجدہ گزار بستی کے سب مکینوں کی التجا ہے، کوئی ایسی سبیل نکلے کہ تجھ سے منسوب گلی، زمینوں کی عظمتیں پھر سے لوٹ آئیں، وہ عفو کی، درگزر کی، مہر و وفا کی بھولی روایتیں پھر سے لوٹ آئیں...... ''وہ چاہتیں، وہ رفاقتیں، وہ محبتیں پھر سے لوٹ آئیں......'' کو میں نے سنا اور اس کا ہم نوا ہوا......

مگر کیا محض لفظوں، خواہشوں سے یہ سب ممکن ہوا ہے؟ اگر ممکن ہوتا تو سانحۂ لال مسجد رونما ہوتا۔ اپنے جسے ایجنسیوں کا آلۂ کار کہتے رہے، پیوندِ خاک نہ ہوتا۔

اب خدا جانے کون سرخ رو ہوا؟ اگرچہ ایک خود کو دانا و حق پرست سمجھتا ہے، مگر سوچیے! اپنی بات پر جم جانے والے

اور وعدوں کو توڑ کر فخر کرنے والوں میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ اور جب یہ جان لیں تو اندازہ ہوگا، عظمتیں کس کا نصیب ہوئیں اور کھائیوں میں کون گرا۔

علامہ عبدالرشید غازی مرحوم و مغفور کا جرم...... مسجدوں کی شہادت کا گلہ اور نفاذ شریعت کا مطالبہ سبھی نے کیا، مگر مجرم ایک غازی......؟ آنٹی شمیم کا قضیہ...... مساج سینٹر کی روداد، ویڈیو سینٹرز کا جلاؤ گھیراؤ...... جرم ہی نہیں بہت بڑے جرائم ہیں۔

کراچی میں گرنے والی اڑتالیس بے گناہ لاشوں سے بھی بڑی بات کچھ اور تھی، بات کچھ اور ہے۔ جسے ہر ایک جانتا ہے، مگر زبان پر لانے کی قدرت نہیں رکھتا کہ جان ہر ایک کو عزیز ہے۔ جہاں بولنے والوں کا انجام غازی کی طرح ہو، وہاں بولنے کی جرات کون کرے؟ جلتی آگ میں کون کودے کہ جب یہ ایمان ہی نہ ہو کہ نار گلزار بھی ہو سکتی ہے، گھاٹے کا سودا کون کرے؟

مگر غازی نے کیا، جان گنوادی، الزام سر لیے اور لیتے رہیں گے۔ اب رونے، کرہانے والوں کو یہ خبر ہو کہ جو سفر حکمرانوں نے شروع کیا وہ جاری ہے اور ان کی زندگیوں تک جاری رہے گا۔

حکومت کی ڈھیل......؟ مذاکرات......؟ مذاکرات میں ناکامی......؟ سیاست دان علما کی خاموشی......؟ امریکا کی خوشی اور چین کی ناراضگی؟ حقیقت کیا ہے سب جانتا ہوں، سب جانتے ہیں، مگر......!

قیامت خیز ہے افسانۂ پردرد میرا
نہ کھلواؤ زباں میری، نہ اٹھواؤ قلم میرا

ذرائع نے بتایا کہ جامعہ حفصہ پر کمانڈو ایکشن کے دوران ایسے آلات استعمال کیے گئے، جن کی مدد سے سیمنٹ کی چھت اور دیواروں کے پیچھے بھی انسان کی موجودگی کو معلوم کیا جاسکتا تھا اور ان آلات کا استعمال مثبت رہا اور کچھ چھتیں دھماکے سے تباہ ہونے کی وجہ سے جانی نقصان زیادہ ہوا، لیکن ڈی جی آئی ایس پی آر کے خیال میں انہوں نے ایسے آلات کے بارے میں کبھی کچھ سنا تک نہیں۔

جمعرات کو کمپلیکس کا دورہ کرنے والی دی نیوز کے کرائم رپورٹر شکیل انجم نے بتایا کہ انہوں نے کوئی منہدم چھت نہیں دیکھی، تاہم انہوں نے انکشاف کیا کہ صحافیوں کو صرف بیس فیصد عمارت کا دورہ کرایا گیا۔

☆☆☆